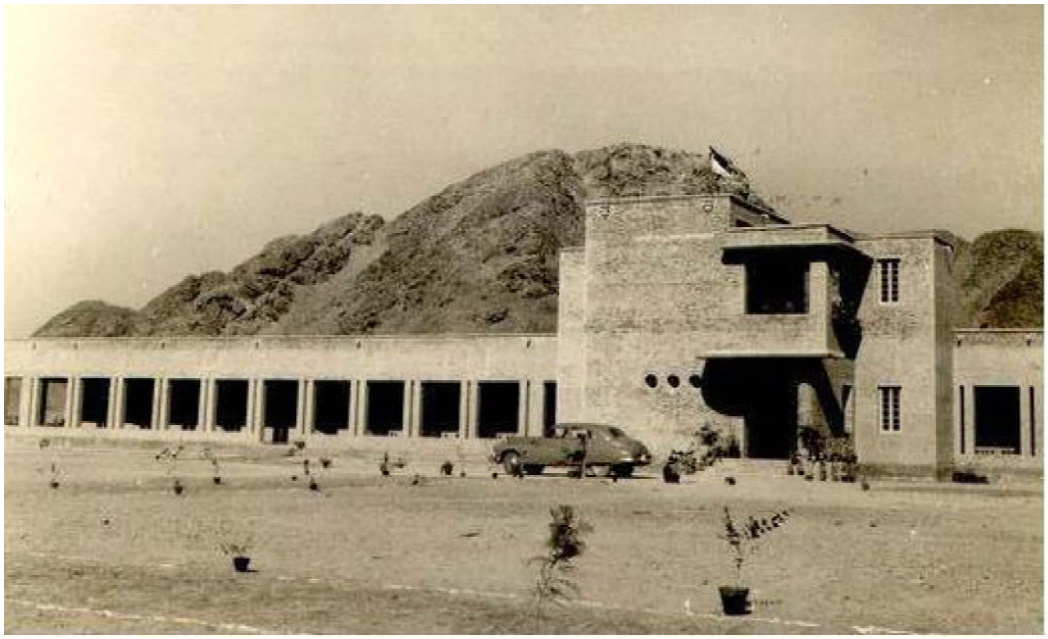

شادی

چوتھا پیریڈ ختم ہونے کے قریب تھا۔ میں پروفیسر رشید غنی مرحوم کے وائس پرنسپل والے کمرے میں بیٹھا ادھر اُدھر کی باتیں کر رہا تھا۔ کہ برآمدے میں چلتے لڑکوں کے قدموں کی چاپ اور کھسر پھسر میں ناگہاں شادی کی پتلی سی آواز شامل ہوگئی۔ شادی لڑکوں کے شور سے بے نیاز ہم کلامی کرتا گزر رہا تھا۔ رشید صاحب نے آواز دی "شادی، گل سن جا!" دوسرے لمحے شادی کا مسکراتا ہوا چہرہ دروازے سے نمودار ہوا۔"شادی یار، ویکھ خان صاحب آئے بیٹھے نیں' لیھ چاء تے نئیں پیندے ایناں واسطے ٹک شاپ توں پکوڑے، تے میرے واسطے ہاف سیٹ چاء لے آ"۔ "کیٹی دا بقت ہو ریا اے، مار کے جدوں ئی اناں" یہ کہہ کر شادی غائب ہو گیا۔

آج جب یہ تعلیم الاسلام کالج کے معمول کا ایک عام سا واقعہ مجھے یاد پڑ رہا ہے اس کے ساتھ ہی کالج میں طالب علمی کے بتائے ہوئے دو سال اور چھتیس سال استادی کے یاد آرہے ہیں۔ جب کوشش کرتا ہوں کہ شادی سے متعلق یادوں کو کالج کی دوسری گوں نہ گوں یادوں سے الگ کروں تو ایسا نہیں کر پا رہا، کیوں کہ میں نے شادی اور کالج کا رشتہ کبھی ٹوٹا دیکھا نہ تھا۔ جب شادی چھٹی پر جاتا، یا بیمار پڑتا، کالج پر ایک اداسی سی چھائی رہتی۔ گھنٹی آگے پیچھے بجتی، چائے کے رسیہ ٹک شاپ پر جاکر چائے پیتے۔ شادی کی غیر حاضری میں لیبارٹری اسسٹنٹ حضرات کی ڈیوٹی لگتی، ہر کوئی گھبرایا ہوا ڈیوٹی بدلوانے کی کوشش کرتا۔

شادی سر تا پا سادگی کا مجسمہ، ناٹا سا قد، گندم گوں رنگ، منہنی سا جسم، داھڑی سفاچٹ، ہلکی مونچھیں، گول مڈھا ہوا سر، ابھری پیشانی، دھنسی ہوئی چھوٹی چھوٹی آنکھیں، چھوٹی پھینی سی چائینی ناک، جسپر سفید مٹیلک فریم کی دونوں حصوں کے جوڑ پر میلے سے کپڑے کا لپیٹ جس سے بار بار پھسل پھسل جاتی عینک کو روکنا مقصود تھا، مگر پھر بھی عینک پھسل جاتی اور شادی اسے بار بار ہاتھ کے ٹھونکے سے آنکھوں کے سامنے دھکیلتا رہتا، لیکن جب کبھی دونوں ہاتھوں سے چائے کی ٹرے اٹھائے ہوئے ہوتا تو چہرہ اوپر اٹھا کر ڈھلکی ہوئی عینک کے شیشوں سے چھانکتا جو پانی سوکھنے کے نشانوں سے گدلے سے ہوگئے تھے۔ پتلے لیکن مظبوط بازو، چھوٹے چھوٹے میلے ہاتھ۔ سفید دیسی طریق کی کھلی قمیض۔ سفید تہمد جو بار دھونے کے باعث ملجگا رنگ دھار چکا تھا، شادی اسے لمبے لمبے لڑ چھوڑ کر لنگوٹی کے سٹائیل اس طرح پہنتا کہ شادی کی پتلی پتلی گندم گوں ٹانگیں نظر آتی رہتیں۔ شادی کالج کے وقت کے دوران اور کالج بند ہونے کے بعد، اگر یہ کہا جائے کہ صبح شام بغیر کسی خوف و خطر پہنے رکھتا۔ پاؤں میں دیسی جوتی پہنتا، کثرتِ استعمال سے جسکی ایڑی بیٹھ گئی تھی اور شادی کے چلنے پر ایڑی سے ٹکرا کر تالی کی سی آواز پیدا کرتی۔

کالج کی چوکیداری کی ساری ذمہ داری شادی کے بظاہر نازک مگر مظبوط کندھوں پر تھی۔ کسی بھی برآمدے سے ہلکی سی آہٹ پر آوازہ کستا: 'کون وے بئ'۔ اکثر ہوسٹل کے لڑکے بازار جاتے ہوئے کالج کے برآمدوں سے گزرتے۔ اگر جواب نہ آتا تو جوتی پہنے بغیر پتہ کرنے بھاگتا۔ آواز آنے پر آواز پہچان کر جواب دیتا۔ 'اچھا وائی اچھا'۔ میں اکثر کالج وقت کے بعد لیبارٹری میں کام کرنے رُک جاتا، جب مغرب کے وقت گھر جانے کے لیئے لیبارٹری کا دروازہ بند کرتا، کھڑکا سن کر آوزہ کستا ' سریپ جا ریا ئیں!' (شریف جا رہے ہو)۔

اکثر میرے پاس لیبارٹری میں آجاتا۔ مختلف موضوعات پر باتیں ہوتیں۔ایک دن میں نے اسکی شادی کے متعلق سوال کیا۔شادی اداس ہو گیا۔ بھرائی آواز میں کہنے لگا، ' ہاں کی تھی، بچہ پیدا ہوا، مر گئی، بچے کو بھی ساتھ لے گئی'۔ آنسوؤں سے ترعینک اتار کر قمیص کے دامن سے صاف کرنے لگا۔

شادی کے بھانجے بھتیجے پل گیارہ کے پاس کسی گاؤں میں رہتے تھے۔ورے شاہیں کالج سے تین چار دن کی چھٹی لیکر صاف ستھرے کپڑے پہن کر،اپنے صندوق سے نئ جوتی نکال کر، ایک نیا جوڑا بچکی میں باندھ کر، بچکی کو سونٹے کے سرے پر لٹکا کر سونٹا شانے پر رکھ لیتااور اسٹیشن کا رستہ لیتا۔ شادی کے جانے کے بعد کالج پر ایک پر اسرار سی خاموشی اور افسردگی چھا جاتی۔

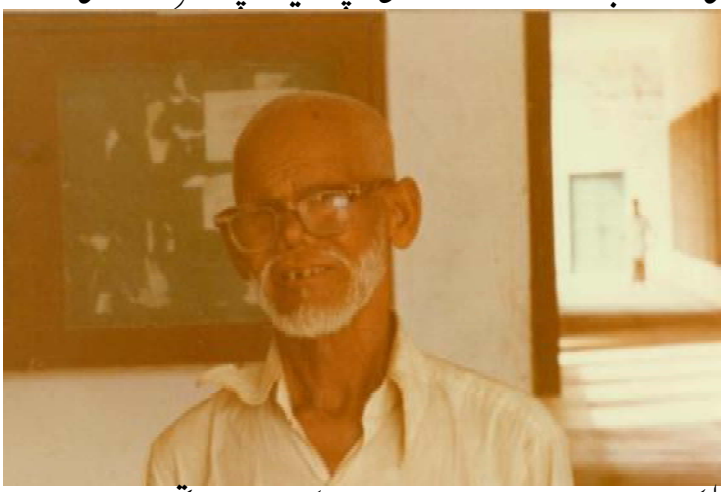

شادی کی بودو باش کالج کی سیڑھیوں کے نیچے ایک تنگ لمبے سے کمرے میں تھی۔جس کا واحد دروازہ نوٹس بورڈ والی دیوار کے پاس کھلتا تھا۔اس کے علاوہ ایک کھڑکی باہر سٹاف روم کی طرف کھلتی تھی۔شادی کی کل کائنات اینٹوں پر ٹکا ٹیالے رنگ کا پرانا سا لوہے کا مقفل صندوقچہ، (جسکے تالے کی چابی شادی اپنی دھوتی کے لڑ میں باندھے رکھتا)۔ صندوق پر طے کی ہوئی رضائی، ایک چارپائی، تکیہ جسکا غلاف کسی قدر مٹیالہ، دوائن پر طے کیا ہوا کھیس جسے سردیوں میں شادی اوڑھے رکھتا۔دیواروں پر لٹکے کچھ کپڑے، ایک طرف دیوار سے لگا حقہ، پاس ہی پڑا چھوٹا سا چمٹا جس سے دھکتے ہوئے کوئیلے حقے کی ٹوپی پر رکھتا۔ یہ تھی شادی کی کل کائنات۔اب مزکورہ صندوق میں کیا تھا، کوئی وسوخ سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔شائد شادی کی جمع جتھا پونجی۔۔۔شادی کو کسی نے کبھی بینک جاتے نہیں دیکھا تھا۔

اپنی ڈیوٹی کی اہمیت کا اتنا احساس کہ جون جولائی کی سخت گرم دوپہروں میں کلاس رومز کے پنکھے چھوڑ کر اپنے کمرے کے سامنے اتانی چارپائی پر مکھیوں سے بچنے کے لیئے سر ہاتھ لپیٹ کر آرام کر لیتا۔نیند اتنی کم کہ ذرا کھٹکے سے جاگ اٹھتا،اور جائیزہ لینے دوڑ پڑتا۔رات کے دوران شادی کے مہمان کتوں کا بیڑا شادی کی مدد کرتا۔

عید کے دن صاف ستھرے کپڑے پہنتا، سر پر ڈھیلی ڈھالی بغیر کلے کی پگڑی، پاؤں میں نئ تلے سے مڑی جوتی، براق سفید کرتا، تہمند، آنکھوں میں سرمہ۔مسجد میں جاکر دوگانہ آداکرتا۔ویسے اسے اللہ ماشاءاللہ کبھی نماز پڑھتے ہوئے نہیں پایا گیا تھا۔شادی، ایمان العجائز رکھتا تھا اس کی امانت، دیانت اور شرافت پر کبھی کسی کو انگلی رکھنے کی جرائت نہیں ہوئی تھی۔طلباء کی کالج میں بھولی چیزیں اگلے دن شادی سے دستیاب ہوتیں۔شادی خاص طور پر دکھی اور غریب طالب علم کا خاص خیال رکھتا، اور اکثر اپنا کھانا انہیں کھلا دیتا۔جب شادی پر شک کیا جاتا، تو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیئے جوش میں آکر کانپنے لگتا۔انتہا صلح جو تھا۔اکثر لڑائی سے کتراتا، لیکن جھگڑتے وقت غصے میں آکر اکثر گالیوں پر اتر آتا۔

یہ سوال کہ شادی کالج میں آیا کہاں سے؟ کیا کالج نے شادی کو ڈھونڈھا، یا شادی نے کالج کو؟ ایک دقیق اور توجع طلب سوال ہے۔ اغلبًا جب کالج لاہور میں ڈی۔اے۔وی کالج کی عمارت میں منتقل ہوا، شادی کا خاندان مہاجرت کے بعد کالج میں پناہ لیئے ہوئے تھا۔عمارت سے بے دخلی کے بعد جب یہ لوگ کہیں اور منتقل ہوگئے اس وقت شادی کی مفلوق الحالی اور سادگی کو دیکھتے ہوئے اسے اور اس کے بھائی کو کالج کی ملازمت میں لے لیا گیا ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔شادی کا بھائی کچھ عرصے بعد کالج چھوڑ گیا، جبکہ کالج شادی کو راس آگیا اور شادی کالج کو۔کالج کے لوگ بھلے تھے اور شادی بھلامانس، یہ بندھن 1997 تک قائم رہا۔

شادی ہندوستان کے نابھہ پٹیالے کے علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔اپنے علاقے کی مخصوص زبان میں بات کرتا اکثر الفاظ صحیح تلفظ سے آدا نہیں کر سکتا تھا، اسکی اپنی طرز کی آدائیگی پر اکثر سٹاف میں زوردار قہقہ پڑتا۔اور شادی کھسیانی ہنسی ہنس کر رہ جاتا۔ شادی طلباء اور اساتزہ میں برابر مقبول تھا۔ شادی کو دیکھتے ہی ہر کسی کا دل مزاہیہ فقرہ لڑھکانے کے لیئے مچلتا۔ماحول کے مطابق جواب دیتا،

وگرنہ مسکرا کر کنی کترا جاتا۔ اکثر شرارتی طلباء شادی سے "لاہور" دیکھانے کا مطالبہ کرتے۔۔۔۔۔۔اور ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ سنا ہے لاہور میں جب کالج کے مجلّے "المنار"کا اجرا ہوا تو ابتدائی شمارے میں شادی اور اسکی سادگی پر ایک مضمون چھپا تھا،جو بہت پسند کیا گیا تھا۔شادی سے متعلق جو بھی کہا جاتا، لکھا جاتا، ہر کوئی سننا اور پڑھنا چاہتا تھا۔

کالج کے قومیائے جانے کی حماقت نے جہاں کالج میں رائج محبت و ہم آہنگی کا تانا بانا بکھیر کر رکھ دیا وہاں بے اعتباری، شک شبہے کا عفریت کالج کی پرانی روایات کو دھیمک کی طرح چاٹ گیا۔شادی جیسے سادہ دل بندے دل برداشتہ ہو کر ہار گئے۔شادی کچھ عرصے سے بجھا بجھا سا رہنے لگا تھا۔کچھ بیمار بیمار سا رہتا۔ایک کالج کے دگرگوں حالات اوپر یہ افتاد کہ دونوں آنکھوں میں موتیا آنے کے باعث نظر سرعت کے ساتھ گر رہی تھی۔ان دونوں کالج میں ہر کوئی غیر یقینی کا شکار تھا۔سٹاف میں طرح طرح کے چہرے در آئے تھے۔ آئے دن ماحول جان بوجھ کر مکدّر کیا جا رہا تھا۔اعتبار بے اعتباری میں بدلا جا رہا تھا۔ایمان داروں سے بے ایمانوں جیسا سلوک روا رکھا جا رہا تھا۔ پرانے سٹاف میں بددلی راہ پا رہی تھی۔ادھر کلاسوں میں سلیبس کے مطابق مضامین کی پڑھائی کی جگہ دل آزار باتوں سے طلبا کا قیمتی وقت ضائع کیا جا رہا تھا۔ ہدایات کے مطابق طلباء صبر اور سکون سے یہ سب کچھ طوعاً کرہاً برداشت کر رہے تھے۔شکائت کرنے پر پرنسپل اپنی معزوری کا اظہار کرتا، "میں کچھ نہیں کر سکتا، اوپر سے ہدایات ہی ایسی ہیں" اسکا گھڑا گھڑایا جواب ہوتا۔

آب شادی نے داڑھی بڑھالی تھی۔اکثر مصلے پر نماز کے وقت دیکھا جاتا، چال ڈھال میں کمزوری کے آثار نمایاں ہوتے چلے جا رہے تھے۔جب کسی کو غور سے دیکھتا تو دھانہ ادھ کھلا رہتا۔موتیئے کا اپریشن ہوا تو ایک آنکھ بن نہ سکی، مٹیلک فریم کی جگہ موٹے شیشوں والی پلاسٹک فریم نے لے لی۔رات کے دوران شادی کے ساتھ ایک مدد گار کی ڈیوٹی لگتی۔

اب نہ وہ محبت کا زمانہ اور نہ شادی کی صحبت، کہ کوئی شادی کا پرسانِ حال ہوتا۔پرانے مہربانوں نے موتیئے کا اپریشن تو کروادیا،اور نئی فریم لے دی لیکن شادی اور کالج کا وہ خوش رنگ زمانہ نہ واپس لا سکے۔ اسی رولے گولے میں شادی ہوا کے جھونکے کی طرح اچانک غائب ہو گیا۔کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا،شادی کی وفات ہو گئی ہے! شادی کالج کی پیار و محبت کی جوّ میں اٹھلاتا ہوا ایک پھول تھا، جو شک اور شبہ کے جہنم میں جلس گیا۔انا للہ و انا علیہ راجعون۔

حق مغفرت کرے شادی عجب بے لوث محبتی وجود تھا!

محمد شریف خان

فلاڈلفیا، امریکہ

۲۰۰۷/۱۱/۸